معاصر اردو ناول: نئے تنقیدی تناظر

ارتضیٰ کریم

اس موضوع پر گفتگو کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ معاصر ناول پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا جائزہ لیا جائے اور یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکے کہ اس ضمن میں اردو تنقید اپنا حق کما حقہ ادا کر سکی ہے یا نہیں؟ دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ معاصر ناول جو پچھلے پانچ سے دس برسوں میں اردو میں لکھے گئے، ان پر نئے تنقیدی تناظر یعنی مابعد جدیدیت کے حوالے سے کس حد تک گفتگو ہو سکتی ہے یا ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اب ہر پل تغیر آشنا ہے اور زندگی جس برق رفتاری کے ساتھ پچھلے دہوں میں تغیر و تبدل کا شکار رہی ہے اتنی پچھلے پچاس برسوں میں کبھی نہیں رہی۔ یہاں ثبات اگر ہے تو صرف تغیر کو۔

آیئے مقالے کی پہلی منزل میں ہم موضوع کے دونوں پہلو پر

مکالمہ کرتے ہیں یعنی موجودہ اردو ناول کے سرمایے پر اردو تنقید کی گرفت کتنی اور کیسی رہی ہے؟ نیز ان معاصر ناولوں پر کن نئے تنقیدی تناظر کے کتنی اور کیسی رہی ہے؟ نیز ان معاصر ناولوں پر کن نئے تنقیدی تناظر کے تحت گفتگو کی گئی ہے؟............ پہلی بات یہ کہ زمانہ موجود کو اگر ہم بیسویں صدی کے آخری دہے تک محدود کر دیں یا 1970ء سے شروع کریں تو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس مدت میں کتنے ناول وجود میں آئے اور اگر یہاں ان کے نام لے لیے جائیں تو کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔ اگر چہ یہ بھی سچائی ہے کہ کسی حد تک اچھے ناول سرحد پار ہی لکھے گئے، پر میں سرِ دست اپنی گفتگو ہندوستان کے ہی ناولوں اور ناولوں پر لکھی جانے والی تنقید تک ہی محدود رکھنے کی اجازت چاہوں گا۔ اس ضمن میں جن ناولوں کا ذکر آئے گا ان میں بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے حیات اللہ انصاری کے ناول 'لہو کے پھول' 'مدار اور گھروندا' 'پیغام آفاقی کا ناول' 'مکان'، جوگندر پال کے ناول یا ناولٹ: 'بیانات' 'آمدورفت' 'نادید' 'خواب رو' جیلانی بانو کے ناول 'ایوانِ غزل' 'بارشِ سنگ' حسین الحق کے ناول 'فرات' بولو مت چپ رہو، بیدی کا ناول 'ایک چادر میلی سی' ظفر پیامی کا 'فرار'، قاضی عبدالستار کے ناول 'غبارِ شب' 'غالب' 'حضرت جان'۔ عبدالصمد کے ناول 'دو گز زمین' 'مہاتما اور مہاساگر' عزیز احمد کے ناول 'خدنگ جستہ' 'جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں'۔ عصمت

چغتائی کے ناول 'دل کی دنیا' 'یک قطرہ خون'۔علی امام نقوی کے ناول 'تین بتی کے راما' 'بساط'۔غضنفر کے 'پانی' 'کینچلی' 'دویہ بانی'،انورخاں کا پھول جیسے لوگ' قرۃ العین حیدر کے ناولٹ اورناول 'اگلے جنم موہے بٹیانہ کیجیو' 'آخرشب کے ہم سفر' 'گردشِ رنگ چمن' 'چاندنی بیگم'عشرت خان کا ناول 'آخری درویش'مشرف عالم ذوقی کے ناول 'بیان' 'نیلام گھر' 'ذبح' اقبال مجید کے ناول 'نمک' 'کسی دن' شموئل احمد کا 'ندی'،ساجدہ زیدی کے ناول 'موج ہوا پیچاں اور مٹی کے حرم'انورعظیم کا 'جھلستے جنگل' گیان سنگھ شاطر کا 'گیان سنگھ شاطر' سید محمد اشرف کا 'نمبردار کا نیلا'محمد علیم کا 'جواماں ملی'مظہرالزماں خاں کا 'آخری داستان گو'الیاس احمد گدی کا 'فائر ایریا'........وغیرہ وغیرہ۔ مجھے احساس ہے کہ ایسا کرتے ہوئے میں ناموں کی کھتونی ہی کررہا ہوں،مگر یہ مجھ سے زیادہ موضوع کی مجبوری ہےاور پھر بھی یہ یقین ہے کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہے، کچھ نام بہرحال چھوٹ گئے ہوں گے۔ناولوں کی اس طویل فہرست کے باوجود وارث علوی کہتے ہیں:

''مجھے تلاش ہےان ناولوں کی جن کی دنیاؤں میں کھوکر آدمی خود کو پاتا تھا،ان افسانوں کی جو نیرنگی جہاں کا آئینہ ہوتے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں ان پچھلے پچاس سالوں میں اردو والے کون سے ناول اور افسانے اور ڈرامے پڑھتے رہے ہیں۔اردو والوں سے یہاں مراد وہ لڑکے اور لڑکیاں ہیں جن کی آج کی عمر میں ہم پریم چند، بیدی ،منٹو،عصمت ،کرشن چندر، بلونت سنگھ،

اپندر ناتھ اشک، احمد ندیم قاسمی، ممتاز مفتی، عزیز احمد، غلام عباس، علی عباس حسینی، اختر حسین رائے پوری، ہاجرہ اور خدیجہ مستور اور قرۃ العین حیدر کو پڑھا کرتے تھے۔"
یہاں ذرا رک کر یہ بھی غور فرمائیے کہ ان ناول نگاروں کے ناول پر (اچھے اور کمزور کی بحث ابھی پرے رکھیے) ہمارے ناقدین نے کتنا لکھا؟ ان میں سے زیادہ تر ناول تو unnoticed ہی چلے گئے۔ معمولی تبصرے اور سرسری مضامین بہر حال تنقید یا تجزیے کا بدل تو نہیں ہو سکتے۔ گویا جب معاصر تخلیق پر خاطر خواہ تنقیدی تحریریں ہی ناپید ہوں تو زیرِ بحث موضوع یعنی "معاصر ناول: نئے تنقیدی تناظر" پر کوئی رائے دستیاب تنقیدی سرمائے کی بنیاد پر ہی قائم کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ وارث علوی نے تنقیدی منظر نامے پر بھی سوالیہ نشان لگایا ہے اور اپنے خاص انداز میں لکھا ہے کہ:

"ترقی پسندی کے برعکس جدیدیت نے موضوع کی بجائے فارم پر زور دیا اور یہ رویہ غلط نہیں تھا، لیکن یہ محض التباس تھا۔ فکشن کی تنقید موضوع ہی کی حلقہ بگوش رہی۔ مثلاً انور سجاد کو بلراج منیرا اور باقر مہدی نے بغیر یہ دیکھے کہ ان کے افسانوں کا فارم ناقص اور خام کار تھا اور ان کے افسانے بے روح اور بے جان تھے، اس لیے انہیں بانس پر چڑھایا کہ وہ ان کے ہم عقیدہ تھے اور ان کے پاس سامراجیت وغیرہ وغیرہ کی تصویر پر چھپکلی کی چال ترقی پسندی کے ٹوٹتے خمار کی فریم ورک میں ٹھیک سے سما رہی تھی۔ مجھے انور سجاد کی

یساریت میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور میں نے ان کے فرم کی
فنکارانہ رائیگانی اور لاغری جو اسوقت کے تمثیلی افسانوں
کے ہڈ پنجروں کا مقدر تھا، کی گرفت کی تھی، لیکن اسوقت
میرے مارکسی دوستوں کا مجھ پر الزام یہی تھا جو آج بھی ہے
کہ میں خالی مخالف یساریت ہوں۔ آج انور سجاد کی
یساریت خود ان کے نام کے ساتھ ایک گالی کی طرح چپکی
ہوئی ہے کیوں کہ برصغیر کے دونوں بدنصیب ملکوں میں
جوہری دھماکوں کے بعد انور سجاد کے یہاں اسلامی عقائد،
دینِ محمدی اور نظامِ مصطفوی کا ایسا زور ہوا ہے کہ آبِ حیات
سے جملہ مستعار لیں تو کہہ سکتے ہیں کہ باقر مہدی چپ اور
سارا ادب دھم ہے۔ مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی کیوں کہ یہ
تماشے میں نے بہت دیکھے ہیں کہ وقت کی ایک ہی موج
عقائد کو خس وخاشاک کی طرح ساحل پر لگا دیتی ہے۔ آج
شمس الرحمٰن فاروقی 'شبِ خون' کے صفحات میں زمین کی
اس کروٹ کو جذب کرنے کی کوشش کررہے ہیں جو ہری
دھماکے سے انور سجاد میں پیدا ہوئی ہے۔ انور سجاد کا ڈھول
پیٹنے میں فاروقی بھی آگے آگے تھے۔ ان کی دلچسپی

موضوع میں نہیں فارم میں ہے لیکن فکشن کے فارم کا ان
کے پاس کوئی شعور نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایک بھی
ناول یا افسانہ نگار پر کوئی معنی خیز تنقید نہیں لکھ سکے۔''

کیا واقعی تخلیقی اعتبار سے ہمارا ادبی منظر نامہ ''بے رنگ'' نہیں نظر آتا؟ مدیر سوغات محمود ایاز نے بھی سوغات کے اجرا سوم کے زمانے میں اسی مایوسی کا ذکر کیا تھا کہ .... ناولوں کی اس کثرت کے باوجود آج بھی اردو میں 'ایڈٹ' تو کیا The Power of the Glory کی سطح اور معیار کا ناول بھی نہیں ملتا....... نئے لکھنے والوں نے ادھر چند برسوں میں کچھ ناول لکھے ہیں لیکن مصیبت سب کے ساتھ یہی ہے کہ کرشن چندر کی خندق سے نکلتے ہیں تو قرۃ العین حیدر کی کھائی میں گرتے ہیں۔ ضبط، توازن، فنی دروبست، فنکارانہ معروضیت کا وہی فقدان چھوٹوں میں بھی ہے جو بڑوں میں تھا.....؟

سید عقیل رضوی نے جدید ناولوں کے مطالعے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور بہت تفصیل کے ساتھ ان کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ کتاب کے اختتام پر ان کی یہ رائے معاصر ناول کی پرکھ میں نئے تنقیدی تناظر کے کردار کو پیش کرتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ

''آج بیسویں صدی کے اختتام کے قریب اردو کے تمام قابل ذکر ناول نگار اپنی Situation، اپنے مسائل، یہاں تک کہ اپنی جمالیات کے دعویدار ہو کر روایتی ناول نگار کو پیچھے چھوڑ رہے ہیں اور جیسے یہ کہتے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ تم ہٹو، ہم اپنے معاملات خود حل کر لیں گے۔ یہ صورتحال فلابیئر سے بھی الگ ہے اور اپنا نام بڑھا کر لکھنے والے مصنفین سے بھی الگ۔ یہ نئے ناول نگار بڑے ناول نگار نہ سہی، ان ناولوں کا کینوس بھی زیادہ وسیع نہیں مگر ان ناولوں میں یہ کیفیت جھلکتی ضرور ہے۔ جیسے پیغام آفاقی کا ناول 'مکان'، غضنفر کا 'کینچلی'، حسین الحق کا 'فرات'، شموئل احمد کا ناولٹ 'ندی' یا علی امام نقوی کے ناول اس صورت کے مظہر ہیں...... اب ناول میں وہ گھیر نہیں رہا جو پریم چند، کرشن چندر، قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں تھا (صرف الیاس احمد گدی کا ناول 'فائر ایریا' اس سے مستثنیٰ ہے، اگرچہ زندگی کا گھیر اس میں زیادہ نہیں ہے)''

وارث علوی یا عقیل رضوی ایسے ناقدین ہیں جن کی رائے سے آپ اختلاف تو کرسکتے ہیں پر ان کے مطالعے پر شک نہیں

کر سکتے......ان ناقدین کے یہاں معاصر ناول سے جو شکایت ہے وہ مشترک ہے۔ میں یہاں ایک تازہ مضمون کا حوالہ دینا چاہوں گا:

> اس نسل کے پاس موضوعات تو ہیں لیکن وہ فکری توانائی اور لامحدود وژن نہیں ہے جو شاہکار تخلیق کراتا ہے، اس کی وجہ شاید تاریخ، معاشیات، سماجیات اور ادبیات سے بہرہ وری کا فقدان ہے۔ جہاں تک فارم اور تکنیک کے تجربوں کا سوال ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیانیہ ہی ناول کی وسعت کو سنبھال سکتا ہے۔ صدی کے ان آخری لمحوں میں صورتحال یہ ہے کہ نئے ناول نگار، روسی اور مغربی ناول تو کجا، اردو کے سنیئر فکشن نگاروں کے قائم کردہ معیار کو نہیں پہنچ پا رہے ہیں۔'' (خالد اشرف)

ماضی قریب اور ہم عصر ناقدین کے یہ تنقیدی آراء بہت واضح طور پر ''تخلیقی بانجھ پن'' کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ وہ اہل نظر جنھوں نے چند معاصر ناولوں کو باضابطہ نئے تنقیدی تناظر میں رکھ کر دیکھنے کی کوشش کی ہے وہ کیا کہتے ہیں۔ اس کا اعتراف اگر شروع میں ہی کر لیا جائے تو کیا ہرج ہے کہ اس طرح کی کوشش خال خال ملتی ہے گوپی چند نارنگ، وہاب اشرفی، ابوالکلام قاسمی، عتیق اللہ، قدوس جاوید، بلراج کومل، انیس رفیع، انور خاں یا اور چند

نام۔۔۔۔ڈاکٹر قدوس جاوید نے "مابعد جدید ناول" کے عنوان سے بہت اچھا مقالہ لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مختصر سے مضمون میں اتنی گنجائش کہاں کہ مفصل بات کی جائے ہاں ضروری اشارے ضرور کیے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے مابعد جدید صورتحال کے حوالے سے کسی بھی ادبی صنف کی شناخت کے چار بنیادی نقطوں پر زور دیا ہے اور اس کی وضاحت بھی کی ہے۔ مثلاً تخلیق کار، متن، زبان اور قاری۔ ان اصولوں کا اطلاق ناول کی تنقید یا فکشن کی شعریات میں کیوں کر کیا جاسکتا ہے یا کیا گیا ہے....... یہ ایک غور طلب امر ہے۔

نارتھروپ فرائی، اسٹراک، باختن، احب حسن، ساسئیر، لیوتار، ٹیری ایگلٹن، جوتھن ملر، جولیا کرسٹیو اور دوسرے جدید نقاد اور مفکرین نے معاصر تخلیق یا جدید ناول کے محاکمہ کی جو صورت بتائی ہے، وہ بحث انگیز ہے۔ بقول قدوس جاوید:

> "فکشن کی شعریات سے متعلق ان تمام خیالات ونظریات کا اثر صرف ناول کی تنقید ہی پر نہیں، ناول کی تخلیق پر بھی پڑا ہے اور لازمی طور پر ناول کی قرأت reading کے حوالے سے قاری کے ردعمل response کے اطوار میں بھی تبدیلی اور پختگی پیدا ہوئی ہے اور آج کے ناولوں میں ناول نگاروں نے بھی ناول کے فنّی اور صنفی لوازمات کو نئے انداز سے برتنا شروع کر دیا ہے۔"

ناول کی بدلتی ہوئی شعریات اور مابعد جدید صورتحال Post Modernist Situation کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ گبریل گارشیا مارکیز کے ناولOne Hundred Years Solitude کی صنفی حیثیت پر کافی بحثیں ہوئیں اور اسے مابعد جدید ناول کا ماڈل قرار دیتے ہوئے ناول کے روایتی تقاضوں اور رویوں کا نئے سرے سے جائزہ لیا گیا۔ نتیجہ یہ نکالا گیا کہ مابعد جدید تہذیب کے زیر اثر ادبی اصناف کے درمیان کی تمام سرحدیں ٹھوس اور دائمی کے بجائے سیال اور تغیر پذیر ہو چکی ہیں۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ناول اور افسانوی مجموعہ، ناول اور طویل نظم، ناول اور خودنوشت اور ناول اور تاریخ میں امتیاز پیدا کرنے والی حدیں کیا ہیں؟ لہٰذا اردو کے حوالے سے بھی ناول کی تعریف اب محض یہی رہ گئی ہے کہ ''ناول ایک پلاٹ کے تحت چند کرداروں اور واقعات کے مدد سے زندگی کے بعض سنجیدہ اور حساس حقائق کے مربوط افسانوی بیان کا نام ہے۔ سبب یہ ہے کہ آج برصغیر میں بھی مابعد جدید کلچر کے خدوخال نمایاں ہو چکے ہیں۔''

لیکن اردو میں ایسے ناولوں کا ظہور ابھی نہیں ہو سکا ہے جن کو نئے تنقیدی تناظر میں دیکھا اور پرکھا جا سکے ....

معدودے چند کو چھوڑ کر اسی لیے ہمارا ناقد یہ بھی کہتا ہے کہ

اردو کے بیشتر ناولوں میں......'' ناول کے تمام تر مضمرات، ناول نگار (مصنف) کی ذات، حیات،نظریہ، جذبات اور تجربات ہی پر مرتکز ہوتے ہیں۔ بحیثیت ادبی تخلیق ناول (متن) کی اپنی آزادانہ حیثیت، زبان کی خودمختاری اور قاری کے کردار پر توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہاں 'گردشِ رنگ چمن، آخر شب کے ہم سفر، نادید، ایوانِ غزل اور فرات، وغیرہ چند ایک ایسے ناول ضرور ہیں جن میں اول تو جدید ہی نہیں مابعد جدید تہذیبی رویوں کو بھی مثبت یا منفی، واضح یا غیر واضح انداز میں برتنے کی مثالیں ملتی ہیں۔ دوئم یہ کہ ان ناولوں میں ناول (متن) اور قاری کے درمیان ناول نگار عموماً کم ہی حائل ہوتا ہے۔ ناول خود قاری سے رشتہ قائم کر لیتا ہے۔''

یہ بات بہت پرانی ہے کہ ادب سماج کے بطن سے جنم لیتا ہے...... اپنے عہد اور حالات کی پیداوار ہوتا ہے...... اور مصنف کے اپنے تجربے، مشاہدے، تخّیل، وجدان، فکر اور نظر کے حوالے سے بھی وجود میں آتا ہے تو معاصر ناول خواہ وہ گیان سنگھ شاطر کا 'گیان سنگھ شاطر' ہو پیغام آفاقی کا 'مکان' ہو، الیاس احمد گدی کا 'فائر ایریا' ہو عبد الصمد کا 'دو گز زمین'

ہو،سید محمد اشرف کا 'نمبر دار کا نیلا' ہو، ساجدہ زیدہ کا 'مٹی کے حرم' یا 'موج ہوا پیچاں' ہو، عشرت ظفر کا ' آخری درویش' ہو، مظہرالزماں خاں کا ' آخری داستان گو' ہو، شموئل احمد کا ' ندی' یا حسین الحق کا 'فرات' ہو، ان سب کی دنیا پہلی دنیا سے الگ ہے۔ صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ تمام ناول اپنے سابق عہد سے، پہلے کے مانوس اسلوب سے، کسی نہ کسی حد تک مختلف ہیں۔ فنکار تخلیقیت میں سرشار خشوع خضوع کے ساتھ ادب تخلیق کرتا ہے اپنے عہد کی فضا میں سانس لیتے ہوئے، اور عہد کی فکریات کی افہام و تفہیم کرتی ہے معاصر تنقید۔ میرا خیال ہے کہ اردو میں تخلیق کچھ پسِ پشت رہ گئی ہے اور مابعد جدید عہد نے طرفیں کھول دی ہیں۔ کشادگی کی فضا ہے۔ آزاد فکری کا ماحول ہے۔ نظریوں کے جبر کے دن لد گئے۔ دیکھیے تخلیق اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوتی ہے۔

☆☆☆